رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

صحابہ کا مقام ومرتبہ

کتاب وسنت کی روشنی میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

SAYYID AHMAD SHAHEED ACADEMY
سید احمد شہید اکیڈمی
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول

ذی قعدہ ۱۴۴۰ھ - جولائی ۲۰۱۹ء

سید احمد شہیدؒ اکیڈمی

دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی

کتاب	:	صحابہ کا مقام و مرتبہ - کتاب وسنت کی روشنی میں
مصنف	:	بلال عبد الحی حسنی ندوی
کمپوزنگ	:	عرفات کمپیوٹرس (محمد ارمغان ندوی)
تعداد	:	۶۰۰۰
صفحات	:	۴۸
قیمت	:	۳۰/ روپے

ملنے کے پتے:

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب، ندوہ روڈ لکھنؤ

☆ مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

باہتمام: محمد نفیس خاں ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[Website: DifaAhleSunnat.com]

فہرست

مقدمہ ۴

صحابہ کا مقام ومرتبہ

ائمہ کا اعتراف فضل ۱۶
بعثت مقرونہ ۲۰
مقام صحابہ ۲۱
قرآن مجید میں تذکرہ ۲۳
احادیث میں ذکر ۲۵
حضرت عمر بن عبدالعزیز کی شہادت ۲۹
صحابہ کی تعریف ۳۰
صحابہ کا ایمان وتقوی ۳۱
صحابہ کون تھے؟ ۳۴
فرق مراتب ۳۹
مقام امتیاز ۴۰
جرح سے ماوراء ۴۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[Website: DifaAhleSunnat.com]

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی
(صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و ناظم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، أمابعد!

خاتم النبیین حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور طبیعت کے تعلق سے اسلام کی اثر پذیری پر بہت اثر پڑا جو بظاہر سابق انبیاء کے ہاں نہیں نظر آیا، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ انسانی فطرت میں ایک دوسرے سے انس وتعلق و بے تعلقی کے مختلف ومتفاوت درجات ہوتے ہیں، بعض وقت ایک انسان دوسرے انسان سے انس محسوس کرتا ہے اور بعض وقت نامانوسی کے حالات ظاہر ہوتے ہیں، اس نامانوسی اور انس کے اسباب بھی ہوتے ہیں ان کے اثر سے یہ بات پیش آتی ہے، مثلاً بیٹے کو دیکھ کر باپ کو انس ہوتا ہے، حالانکہ چہرہ بظاہر اس جیسے دوسرے لڑکے کا بھی ہوتا ہے، لیکن بعض وقت اس کے چہرہ کو دیکھ کر طبیعت میں اعراض محسوس ہوتا ہے، بعض وقت یہ بات گہری اور زیادہ سخت ہوتی ہے، عاشق ومعشوق کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، انسان کی انسان سے ملاقات پر اور آپس کے میل جول میں انس اور ناپسندیدگی کے حالات ملتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے، اور یہ بے سبب بے مقصد نہیں ہے، ہر چیز میں

حکمت ہے، اس میں بھی حکمت ہے، اور اس کے اسباب بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ فطری اور کچھ غیر فطری رکھے ہیں جس کا تجربہ ہر شخص کو ہوتا رہتا ہے، کسی سے ہم بہت مانوس ہوجاتے ہیں اور کسی سے ملاقات پر طبیعت میں گرانی معلوم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کا مزاج اور فطرت بہت باریکی سے بنائی ہے، اور اس میں عجیب وغریب خواص رکھے ہیں، اور ہر انسان کو دوسرے انسان سے مختلف بنایا ہے، یہ نہ کیا ہوتا تو دنیا میں کسی ایک بھی آنکھ کے نہ ملنے کی بات نہ ہوتی، اور اسی طرح کسی کے انگوٹھے کی چھاپ دوسرے کے انگوٹھے کی چھاپ سے نہیں ملتی، اور دنیا بھر میں آنکھ کی چھاپ اور انگوٹھے کی چھاپ لے کر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ الگ انسان ہے، اور وہ الگ انسان ہے، اور دونوں کے خواص الگ ہیں، اسی طرح ایک شخص کے چہرے کے انداز دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، اس کو دیکھنے والا اس کے مطابق اثر بھی لیتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چاند سے بھی اچھا چہرہ ایسا اثر رکھتا تھا کہ جس نے آپ کو دیکھا، دیکھتے ہی وہ آپ پر قربان ہوگیا، اور اس کی کایا پلٹ گئی۔ حضرت حسانؓ کہتے ہیں:

وأحسن منك لم تر قط عين

وأجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبرأ من كل عيب

كأنك قد خلقت كما تشاء

پھانسی پر چڑھائے جانے والے صحابی سے پوچھا جارہا ہے بتاؤ تمہارے بجائے تمہارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رکھا جائے تو تمہاری کیا رائے ہوگی؟ وہ فرماتے ہیں: ہم تو اس کے لیے تیار نہیں کہ ان کو کانٹا بھی چبھے اور اس کے عوض میں پھانسی سے بچ جاؤں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ایک مرتبہ بھی مل لیتا تھا وہ محبت اور فریفتگی کے اعلی مقام تک پہنچ جاتا تھا، اور عشق کی کیفیت اس پر طاری ہوجاتی تھی، فدائیت کی جو اعلی انسانی خصوصیت ہوسکتی ہے وہ اس میں پیدا ہوجاتی تھی، اور یہ حقیقت

میں اس شخص کی بات کم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ منور اور کلام پاک کی طاقت اور تاثیر زیادہ ہوتی تھی، تلوار لے کر قتل کے ارادے سے نکلے ہیں اور نظر پڑ گئی چہرۂ انور پر تو ہاتھ سے تلوار گر جاتی ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تلوار ہاتھ میں لیتے ہیں اور معاف فرما دیتے ہیں، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ تلوار لے کر قتل کے ارادے سے نکلے، بہن بہنوئی کے ہاں قرآن مجید سن کر بالکل پلٹ گئے، وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، صحابہ ڈر رہے تھے کہ عمر جیسا سخت دل آ گیا ہے، اللہ ہی خیر کرے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا کہ آئے تھے کسی اور مقصد سے مگر اب اسلام قبول کرنا ہے۔ ایسے کتنے واقعات ہیں، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت سے پہلے سب سے مبغوض ذات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، لیکن اب سب سے محبوب ذات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، اور اسی طرح حضرت ہند والدہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ سیرت نگاروں نے لکھا ہے، اور صحیح بخاری میں بھی تذکرہ ہے کہ انہوں نے بیعت کی اور جو باتیں کہی جا رہی تھیں، اس پر بھی انہیں تردد اور اشکالات تھے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم درگذر فرماتے رہے، اور بیعت مکمل ہونے کے بعد ان کا حال یہ ہو گیا کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ سب سے مبغوض تھا اب سب سے محبوب ہے، اسی طرح حضرت ابومحذورہؓ، حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کا واقعہ اور دوسرے صحابہ کے واقعات بھی ہیں، جن سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر خوب اچھی طرح سمجھی جا سکتی ہے۔

جو لوگ شروع سے ساتھ تھے، گھر کا ساتھ اور جن کا گھر کے باہر کا ساتھ تھا، ان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی چھاپ رہی ہوگی؟ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کو یہ دوہری نسبت حاصل تھی کہ وہ شرف صحابیت کے ساتھ ساتھ گھر میں ساتھ ہونے کی

نسبت رکھتے تھے، اور دونوں جگہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کا موقع ملا، حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ ہی پلے بڑھے تھے اور داماد بھی ہوئے، مزید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مؤاخات کا عمل صحابہ کے درمیان کرایا تو حضرت علی سے خود مؤاخات کی، اور وہ ہمیشہ آپ کے منظور نظر رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا معاملہ بھی عجیب تھا، نبوت سے پہلے ہی ان سے گہرے مراسم تھے، وہ جتنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، بلوغ کے بعد اتنا ساتھ کسی کو حاصل نہیں ہوا، اور ان کا مزاج بھی مزاج نبوی سے یکسانیت کا ہو گیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بعض وہ خصوصیات عطا فرمائی تھیں جس میں وہ امتیازی شان رکھتے تھے، اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد انہیں خلیفہ نامزد کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہ ہوا، حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت ہی نرم دل تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دین کے معاملات میں بہت سخت واقع ہوئے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر صفت حیاء کا بڑا غلبہ تھا یہاں تک کہ فرشتے بھی ان کی اس صفت کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، ان کی محبت و فدائیت کا یہ واقعہ بڑا عجیب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ کے عمرے کے سفر پر جبکہ راستہ میں رکاوٹ پیدا کر دی گئی تھی، مکہ معظّمہ حالات کا جائزہ لینے اور بات چیت کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا، انہوں نے مکہ معظّمہ پہنچنے اور اہل مکہ کی جانب سے طواف کی اجازت دیے جانے پر بھی اس لیے طواف نہیں کیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طواف سے روکا جا رہا ہے تو آپ پر پیش قدمی مناسب نہیں، اور یہ کہ جس کام کے لیے بھیجا گیا وہ کر کے چلے آنا ہے، اس موقع پر حدیبیہ میں جب بیعت رضوان لی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کی بیعت غائبانہ طور پر اپنے ہی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر لی، یہ غیر معمولی خصوصیت کا معاملہ تھا۔

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو شروع دن سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت اور صحبت میں رہنے اور بعض اہم مواقع پر نیابت کرنے کے علاوہ علم وحکمت میں امتیاز رکھنے کی خصوصیت حاصل تھی، ایک حدیث پاک میں ان چاروں برگزیدہ اصحاب کا تذکرہ بڑے بلیغ الفاظ میں اس طرح آگیا ہے کہ

"أرحم أمتي بأمتي أبو بكر و أشدهم في أمر الله عمر و أحياهم عثمان و أقضاهم علي"

مزید یہ کہ ہجرت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امانتیں سپرد کرکے چھوڑا، اور وہ دشمنوں کے بیچ کوہِ ایمان وتوکل بنے رہے، اور جس کی امانتیں تھیں ان کو امانتیں حوالہ کیں، پھر خیبر کے موقع پر ان کو جھنڈا عنایت فرمایا، اور اس سے پہلے یہ فرمایا کہ کل ایسے شخص کو علمبردار بنائیں گے جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا تو بعض اعلانات وہدایات کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا، اور اس سے پہلے بدر کے موقع پر اپنے بعض قریبی افراد خاندان کو آگے کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باوجود بہت عزیز رکھنے کے اس خطرہ میں ڈالا اور انہوں نے دشمن کو زیر کیا۔

صلح حدیبیہ کے وقت تک کے حالات بڑے سخت اور آزمائش کے تھے، اور صلح حدیبیہ جو بظاہر دب کر کی گئی تھی لیکن اس سے فتح مبین کا سب سے بڑا راستہ کھلا، اور اس کو قرآن مجید میں ''فتح مبین'' کہا گیا ہے:

﴿إِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحاً مُّبِيناً﴾ (الفتح: ۱)

(یقیناً ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا کی ہے)

اتنی بڑی تعداد اس ڈیڑھ دو سال کے عرصہ میں ایمان لائی جو گذشتہ پوری مدت میں نہیں لائی تھی، اور اس سے اسلام کو ایسے مرد مومن اور مرد مجاہد ملے جنھوں نے اسلام کی غیر معمولی اور فاتحانہ خدمت کی، ان میں حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا نام لینا کافی ہے، جن کی خدمات کسی سے مخفی نہیں ہیں۔

صلح حدیبیہ ہی کے موقع پر مکہ کے دشمن نے صلح لکھانے کے موقع پر وہ منظر دیکھا جو عام عقل میں نہیں آتا اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے عشق ومحبت کا غیر معمولی مظاہرہ سامنے آتا ہے، انہوں نے جاکر بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ان کے ایسے عاشق ہیں کہ اگر وہ تھوکتے ہیں تو لپک کر کوئی اس کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتا اور چہرہ پر مل لیتا ہے، یہ اور متعدد مثالیں بتاتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں جو داخل ہوا اس کی کایا پلٹ ہوگئی، اس سے عاشق کا کردار ادا ہونے لگا، جو اپنے محبوب سے محبت میں عام طور سے آگے بڑھ جاتا ہے، دراصل یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیار کیے گئے تھے کہ خاتم النبیین کے بعد ان سے نبیوں کا کام لیا جانا تھا، اس پیغام حق کو جو ان کے محبوب سے ان کو ملا پوری دیانت کے ساتھ اگلوں کو پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو نبی بناتا ہے اس کو خیر انسان کا اعلیٰ مقام عطا فرماتا ہے، جب دین حق کو خاتم النبیین کے بعد پہنچانے کا کام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا تو ان کی سیرت اور دیانت کو بھی اس کام کے لائق بنایا۔

عہد رسالت میں بعض وہ افراد جو حق پرستی کے دائرہ میں نہیں آئے، ان سے اس کا کام بھی نہیں لیا گیا، اور ان کو جاننے والوں نے جانا اور پہچانا، کافر ہوں یا منافق ہوں اور بگڑے ہوئے اعراب ہوں، ان کے تذکرے سے ان کو پہچانا گیا۔

جہاں تک فتح مکہ کے موقع پر بظاہر دباؤ سے مسلمان ہونے والوں کا تعلق ہے، ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلب کے لیے خاصی مقدار میں مال ومتاع عطا فرمایا، اور ان لوگوں کو اپنا لیا اور پروانہ معافی اس طرح عام کیا کہ جنگ کی صورت حال اخوت وانسانیت کے ماحول سے بدل گئی، اور بہانے بہانے سے معاف کیا، ان لوگوں کو معاف کیا جو ہمیشہ مقابلہ کرتے رہے، اس طرح ایک بڑی تعداد اس موقع پر شرف صحابیت سے مشرف ومسعود ہوئی، ایک انصاری صحابی نے جن کے ہاتھ میں جھنڈا تھا یہ کہہ دیا کہ

"اليوم يوم الملحمة" (آج قتل وقتال کا دن ہے)

تو ان سے جھنڈا لے کر ان کے صاحبزادے حضرت قیس بن سعد بن عبادہؓ کو عنایت فرمایا اور یہ فرمایا:

"اليوم يوم المرحمة" (آج کا دن تو رحم کا دن ہے)

پھر ان سب نے تلافی مافات کی پوری کوشش کی کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو بے اعتدالیاں ہوئیں، اعلائے کلمۃ اللہ کے عمل کے ذریعہ قربانیاں دے کر کس طرح اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی حاصل کر لی جائے، اور ان میں بعض نے حضور اقدس کی وفات کے بعد ایسے کارنامے انجام دیے جس سے انہوں نے ایک تاریخ رقم دی، جیسے حضرت عکرمہ بن ابی جہل اور حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہما، حضرت وحشی رضی اللہ عنہ جو حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے نتیجہ میں آپ کا سامنا کرنے میں شرم محسوس کرتے تھے کہ آپ کو اپنے چچا کی یاد آ جائے اور ان کے لیے نقصان کا باعث نہ بن جائے، اسی طرح ابوجہل کی عداوت بھی ظاہر ہے اور عکرمہ ان کے فرزند تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے اسلام قبول کرنے کے عمل کو پورے استقبال سے لیا کہ یہ اللہ کا معاملہ ہے، جسے چاہے ہدایت دے اور اعزاز بخشے۔

اور دوسرے ارشادات کہ

"لا تسبو أصحابى" اور

"الله الله فى أصحابى لا تتخذوهم غرضا من بعدى"

اور دوسری روایات واحادیث میں ایک اہم بات یہ ہے کہ ان حضرات کا تذکرہ اللہ کی طرف سے بھی ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ اور اس جیسی دوسری تعبیرات کے ساتھ بھی کیا گیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی ہجرت سے روکا گیا پھر ان کی ہجرت کو حضور کی ہجرت سے جوڑا گیا اور اس ہجرت کے سفر کے ابتدائی مرحلہ میں جب مکہ

معظّمہ میں آبادی سے نکل کر جبل ثور کے غار میں جو پہاڑ کے اوپری حصہ میں ہے، دشمن پہنچ گئے اور ان کے پیر دکھائی دینے لگے جس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کچھ اندیشہ محسوس کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب بتا کر قرآن مجید میں کیا ہے کہ

﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ (التوبة: ٤٠)

(جب وہ اپنے رفیق سے کہہ رہے تھے کہ غم مت کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھی سے کہا کہ فکر نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے، اور معذوری کے زمانہ میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری ایام تھے، تاکید سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت میں اپنا نائب بنایا، جسے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ ان کی خلافت نبوت کے لیے بڑی دلیل سمجھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ جب دینی امور میں سب سے اہم چیز نماز میں ان کو ہمارا امام بنایا گیا تو اس کے بعد کی چیز دنیوی امور میں بھی امامت کے وہی حقدار ہوئے، جس کو ہم سب نے خوشی خوشی مانا، ان کی صاحبزادی اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر شبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ان کی برأت قرآن پاک میں ظاہر فرما کر ان کی طہارت وعفت پر مہر ثبت کی، اور انہیں اور سبھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو سبھی اہل ایمان کی مائیں قرار دیا اور فرمایا:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾

(الأحزاب: ٦)

(نبی کا مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق ہے، اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں)

اور ایک دوسری جگہ ان کی صفات وخصوصیات کا تذکرہ ان سے ایک خطاب میں

کرتے ہوئے اس طرح فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً﴾ (الأحزاب: ٣٣)

(اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے میل کچیل کو دور کردے اور تمہیں پوری طرح پاک صاف کردے)

مزید ان کے مقام بلند اور امتیازی شان کی طرف اشارہ فرمایا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں بیٹوں حضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بھی اس خصوصیت میں شامل فرمایا اور ان حضرات کے متعلق محبت وتعلق کے اظہار کے ساتھ ان کے مقام بلند کی طرف اشارہ کرنے والی باتیں بھی ارشاد فرمائیں جو حدیث وسیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ احکام شریعت جیسے جیسے نازل ہوتے تھے وہ ان کو اسی طرح اختیار کرتے جاتے تھے، اور اگر کسی سے ذرا بھی چوک ہوتی تو انہیں اس قدر پریشانی ہوتی کہ جب تک اس کی صفائی نہ کرلیتے، وہ چین سے نہ بیٹھتے تھے، اللہ تعالی نے یوں ہی ان کی تعریف نہیں کی، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً﴾ (الفتح: ٢٩)

(محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ

انکاریوں پر زورآور ہیں آپس میں مہربان ہیں، آپ انھیں رکوع اور سجدے کرتے دیکھیں گے، اللہ کا فضل اور خوشنودی چاہتے ہیں، ان کی علامتیں سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، ان کی یہ مثال تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی مثال یہ ہے جیسے کھیتی ہو جس نے انکھوا نکالا پھر اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹا ہوا پھر اپنے تنے پر کھڑا ہو گیا، کھیتی کرنے والوں کو بھانے لگا تا کہ وہ ان سے انکار کرنے والوں کو جھلا دے، ان میں سے جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے ان سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ اعلی مقام بتایا گیا ہے، وہیں قرآن مجید میں جا بجا ان میں شامل ہونے والوں کا بھی حال بھی بتایا گیا ہے، جو ظاہر میں اپنے کو مسلمان اور صحابہ کا حصہ بتاتے تھے اور اس طرح فائدہ میں اپنے کو شریک کر لیتے تھے مگر ان کا طرز عمل ان کے خلاف تھا، ان کے متعلق "منافقون" اور "خادعون" کی بات فرمائی گئی ہے، ظاہر میں ان کے ساتھ اخلاق برتا جاتا تھا، اور آخری درجہ کا اخلاق برتا گیا، لیکن یہ آیت اتری کہ انہیں اللہ تعالیٰ بخشے گا نہیں، یہ لوگ بعد میں بھی رہے، البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ ابن الیمانؓ کو نشاندہی فرما دی تھی، حضرت عمرؓ نے جب لوگوں کو ذمہ داری دی تو ان سے دریافت کیا کہ ان میں سے کسی کو ذمہ داری تو نہیں مل گئی ہے؟ انہوں نے کسی کا نام لیے بغیر کہا کہ ایک ایسے شخص کو مل گئی ہے جو ان میں سے ہے، اس پر حضرت عمرؓ نے اپنی فراست سے کام لیتے ہوئے انہیں معزول کر دیا۔

جہاں تک صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلاف کا تعلق ہے، اس سے فقہ و مسائل کی بڑی راہیں کھلتی ہیں، اور اسلام جسے پوری دنیا تک پہنچنا تھا اور جسے قیامت تک کا مذہب قرار دیا گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا نبي بعدي" (میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا أَرۡسَلۡنَاكَ إِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِينَ﴾ (الأنبياء:۱۰۷)

ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اور دوسری جگہ خاتم النبیین بھی فرمایا، اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ کو نبوت و دعوت کا کام تفویض کیا، اسلام بطور دین کے مکمل ہوگیا، پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سانحۂ ارتحال پیش آگیا، اور صحابہ اس مشن کو آگے بڑھانے اور دین و شریعت کو نافذ کرنے میں لگ گئے، اس طرح حضور کی بعثت بعثت مقرونہ تھی، آپ کے ساتھ آپ کی امت مبعوث کی گئی، فرمایا گیا:

﴿كُنتُمۡ خَيۡرَ أُمَّةٍ أُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَأۡمُرُونَ بِالۡمَعۡرُوفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنكَرِ وَتُؤۡمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران:۱۱۰)

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)

جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ صحابہ کے مختلف مراتب و درجات ہیں تو وہ ان کی قربانیوں اور سبقت فی الاسلام، فضل وتقدم، ایمان ویقین، ایثار واخلاق اور اعمال کے تفاوت سے ہیں، یہ اللہ کا معاملہ ہے جس کے مقام کو چاہے بلند کرے، البتہ کسی ادنی صحابی کا بھی مقابلہ بڑے سے بڑے ولی، عبادت گذار، مجاہد، متقی اور عظیم سے عظیم تر تابعی، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اس شخص سے بھی نہیں کیا جا سکتا جنہیں زمانہ تو ملا مگر رویت کی بات حاصل نہ ہوسکی۔ فالغیب عند اللہ!

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اگر سبھی ایک ہی موقع پر ایمان لے آتے اور ایک ہی حال سے گذرتے یا غلطیاں نہ ہوتیں تو یہ بات نزول قرآن و شریعت سے ٹکراتی، یہاں تک کہ ارتداد اور اس کے بعد اس سے واپسی پر معافی یا تعزیرات و حدود والے معاملات پر ان کی تنفیذ، یہ سب دینی حکمت و مصلحت کا حصہ ہیں، مگر وہ سب اللہ کے

ہاں مقبول اور دوسروں سے بہت اونچے مقام پر ہیں، اور جن صحابہ کو اقتدار ملا انہوں نے اس فریضہ کو قرآن وسنت کے مطابق انجام دینے کی کوشش کی، مگر وہ اس سلسلہ میں ہمیشہ خائف رہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا، اور انہوں نے اپنے کو کبھی خلیفہ راشد کے طور پر پیش نہیں کیا، البتہ ان کے نظام حکومت میں سبھی نے امن و استحکام محسوس کیا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ.

صحابہ اور اہل بیت دونوں کا اپنا اپنا مقام ہے، اور ان حضرات میں آپس میں بڑے احترام ولحاظ کی باتیں نظر آتی ہیں، دونوں کی محبت اہل سنت والجماعت نے جمع کی اور دونوں کا جو حق ہے وہ ادا کیا، البتہ جنہوں نے اس میں اعتدال کا راستہ چھوڑا، وہ ناصبیت وخارجیت یا رفض وشیعیت کی طرف چلے گئے اور جادۂ حق سے ہٹ گئے، ایسی باتیں مختلف حالات کے نتیجہ میں بار بار سامنے آتی رہتی ہیں جس کے لیے تواصی بالحق کا عمل ضروری ہوتا ہے۔

عزیز القدر مولوی سید بلال عبدالحی حسنی ندوی سلمه الله ووفقه لما يحب ويرضاه وبارك فيه کو اللہ تعالیٰ نے مختلف علمی، دینی ودعوتی کاموں کی توفیق دی ہے، اور ان کے قلم سے اہم اور مفید کتابیں سامنے آچکی ہیں، انہیں میں ایک مفید و مؤثر اور طاقتور رسالہ جو عظمت ومقام صحابہ کو واضح کرنے کے لیے کافی وشافی ہے پیش نظر ہے، جسے انہوں نے عزیزی مولوی سید محمود حسن حسنی ندوی سلمہ اللہ کی کتاب ''**تاریخ اصلاح وتربیت**'' کے حصہ صحابہ کی خاص جلد کے مقدمہ کے طور پر لکھا تھا، جسے ایک رسالہ کے طور پر شائع کرنے کی ضرورت سمجھتے ہوئے مستقل کتاب کے طور پر پیش کیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ مفید بنائے اور قبول فرمائے۔

محمد رابع حسنی ندوی

دوشنبہ: ۲۶/شوال ۱۴۴۰ھ

دائرہ شاہ علم اللہ حسنی تکیہ، کلاں، رائے بریلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صحابہ کا مقام ومرتبہ

(رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُم وَرَضُوا عَنهُ)

ائمہ کا اعترافِ فضل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت وہ قدسی جماعت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لیے اور امت کی ہدایت کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے امت نے ہمیشہ صحابہ کی تنقیص کرنے والوں کے بارے میں سخت کلمات ارشاد فرمائے ہیں، میمونیؒ کہتے ہیں:

"سمعت أحمد يقول: "ما لهم ولمعاوية؟ نسأل الله العافية" وقال لي: "يا أبا الحسن! اذا رأيت أحدا يذكر أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بسوء فاتهمه على الاسلام"(١)

(میں نے امام احمد کو یہ فرماتے ہوئے سنا: آخر کیا ہوگیا ہے کہ لوگ حضرت معاویہ کی برائی کرتے ہیں، ہم اللہ سے عافیت کے طلب گار ہیں، امام احمد نے مجھ سے کہا: جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کا ذکر برائی کے ساتھ کررہا ہے تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔)

امام مسلم کے استاذ امام ابوزرعہؒ کہتے ہیں:

(١)الصارم المسلول على شاتم الرسول للامام ابن تيمية: ٥٦٨

”اذا رأيت الرجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم أنه زنديق وذلك أن الرسول صلى الله عليه وسلم عندنا حق والقرآن حق وانما أدى الينا هذا القرآن والسنن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، وانما يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة والجرح بهم أولى وهم زنادقة.“(۱)

(جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ کسی صحابی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے، اس لیے کہ ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ حق ہیں، اور قرآن حق ہے، قرآن وسنت ہم تک پہنچانے والے یہی صحابہ کرام ہیں، یہ تنقیص کرنے والے ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں، تاکہ کتاب وسنت کو باطل ثابت کریں، لہٰذا خود ان کو مجروح کرنا زیادہ مناسب ہے، یہ زندیق ہیں۔)

حضرت ابراہیم بن سعید جوہریؒ نے حضرت ابواسامہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ میں افضل کون ہے تو انہوں نے فرمایا:

”لا نعدل بأصحاب محمد صلى الله عليه وسلم أحدا.“(۲)

(یعنی ہم اصحاب محمد ﷺ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، افضل ہونا تو دور کی بات ہے)

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

”من طعن فيهم أو سبهم فقد خرج من الدين ومرق من ملة المسلمين لأن الطعن لا يكون الا عن اعتقاد مساويهم واضمار الحقد فيهم وانكار ما ذكره الله تعالىٰ فى كتابه من ثنائه عليهم

(۱)الكفاية فى علم الرواية: ۱/۴۹ (۲)الروضة الندية شرح العقيدة الواسطية: ۴۰۵

وما لرسول الله صلى الله عليه وسلم من ثنائه عليهم وفضائله ومناقبهم وحبهم ولأنهم أرضى الوسائل من المأثور والوسائط من المنقول والطعن فى الوسائط طعن فى الأصل والازدراء بالناقل ازدراء بالمنقول هذا ظاهر لمن تدبره وسلم من النفاق ومن الزندقة والالحاد فى عقيدته."(١)

(جس نے صحابہ پر طعن وتشنیع کی یا ان کو برا کہا، وہ دین سے نکل گیا، اور ملت اسلامیہ سے خارج ہوگیا، اس لیے کہ ان پر طعنہ زنی اسی وقت ممکن ہے جب ان کی برائی کا عقیدہ ہو، ان کے تئیں دل میں حسد وکینہ ہو اور کتاب و سنت میں وارد ان کے فضائل ومناقب کا انکار کردیا جائے، نیز اس لیے کہ یہ حضرات شریعت ماثورہ کے نہایت پسندیدہ وسیلہ اور دین منقول کا واسطہ ہیں، واسطہ وذریعہ کو مجروح کرنا اصل دین کو مجروح کرنا ہے، نیز اس لیے کہ ناقل کی تحقیر خود منقول کی تحقیر ہے، غور وفکر سے کام لینے والے اور نفاق والحاد و زندقہ سے پاک کسی شخص کے لیے یہ حقیقت بالکل عیاں ہے۔)

موصوف مزید لکھتے ہیں:

"من ذم أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بشئ وتتبع عثراتهم وذكر عيبا وأضافه اليهم كان منافقا بل الواجب على المسلم حب الله وحب رسوله وحب ما جاء به وحب من يقوم بأمره وحب من يأخذ بهديه ويعمل بسنته وحب آله وأصحابه وأزواجه وأولاده وغلمانه وخدامه وحب من يحبهم وبغض من يبغضهم"(٢)

(جس نے صحابہ کی کسی طرح سے مذمت کی، ان کی لغزش جوئی کی، ان

---

(١)الكبائر للذهبي: ٢٣٦/١ (٢)أيضا

کے عیب کو بیان کیا، ان کی طرف کسی عیب کو منسوب کیا، وہ منافق ہے، ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ اللہ، اس کے رسول، آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین اور اقامت دین کا فریضہ انجام دینے والوں، آپ کا اسوہ اختیار کرنے والوں، آپ کی سنت پر عمل کرنے والوں، آپ کے صحابہ، ازواج، اولاد، غلاموں اور ان لوگوں سے محبت کرنے والوں سے محبت رکھے اور ان سے بغض رکھنے والوں سے بغض رکھے۔)

قاضی عیاضؒ شارح مسلم تحریر فرماتے ہیں:

"ومن توقيره -صلى الله عليه وسلم- وبره توقير أصحابه وبرهم ومعرفة حقهم والاقتداء بهم وحسن الثناء عليهم والاستغفار لهم والامساك عما شجر بينهم ومعاداة من عاداهم والاضراب عن أخبار المؤرخين وجهلة الرواة وضلال الشيعة والمبتدعين القادحة فى أحد منهم"(١)

(آپ ﷺ کی توقیر وتعظیم میں یہ داخل ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ کی توقیر وتعظیم ہو، ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، ان کے حق کو پہچانا جائے، ان کی اقتدا کی جائے، ان کے لیے دعا واستغفار کیا جائے، ان کے آپسی نزاع سے کف لسان کیا جائے، ان کے دشمنوں سے دشمنی کی جائے اور مؤرخین وجاہل راویوں اور گمراہ شیعوں اور اہل بدعت کی ان خبروں کو نظر انداز کیا جائے جو ان میں کسی کی بھی شان گھٹاتی ہوں۔)

ابن حزمؒ نے لکھا ہے:

"وأما الصحابة رضي الله عنهم فبخلاف هذا ولا سبيل الى أن يلحق أقلهم درجة أحد من أهل الأرض."(٢)

(١)الشفا للقاضي عياض: ٥٢/٢ (٢)الفصل فى الملل والأهواء النحل: ١١٧/٤

(صحابہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے اور کوئی شکل نہیں کہ روئے زمین کا کوئی شخص ادنی صحابی کے درجے کو بھی پا سکے۔)

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

"من صحب النبي صلى الله عليه وسلم ورآه ولو مرة فى عمره أفضل ممن يأتى بعده، وان فضيلة الصحبة لا يعدلها عمل."(۱)

(جس نے نبی کی صحبت پائی اور زندگی میں ایک بار بھی آپ کا دیدار کرلیا وہ بعد والوں سے افضل ہے، صحابیت کی فضیلت کے برابر کوئی عمل نہیں)

بعثت مقرونہ

آنحضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے امت کے تزکیہ اور تعلیم کے لیے بھیجا تھا، آپ ﷺ معلم اول تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم امت تک اس تعلیم کو منتقل کرنے کا سب سے پہلا ذریعہ ہیں اور آپ ﷺ کے شاگرد ہیں اور پوری امت کے معلم ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ "حجۃ اللہ البالغۃ" میں تحریر فرماتے ہیں

"ان النبي صلى الله عليه وسلم بعث بعثة تتضمن بعثة أخرى"(۲)

(نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے ساتھ ایک دوسری بعثت بھی شامل ہے۔)

شاہ صاحب اس کو دوسری جگہ اس طرح واضح فرماتے ہیں:

"سب سے کامل بعثت اس نبی کی ہوتی ہے جس کی بعثت "مقرون" ہوتی ہے، یعنی اس کی بعثت کے ساتھ ایک پوری قوم تبلیغ و دعوت پر مامور اور اس کی فیض صحبت سے تیار ہوکر دوسرے انسانوں کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنتی ہے، نبی کی بعثت بالاصالت ہوتی ہے (اور اس کو نبوت کہتے ہیں) امت کی ماموریت اور تفویض خدمت کی نوعیت بالواسطہ و بالنیابہ ہوتی ہے، آنحضرت ﷺ کی بعثت ایسی ہی جامع بعثت تھی، جس کے

(۱) الجامع لأحكام القرآن: ۱۷۱/٤ (۲) حجة الله البالغة: ۲۵۸/۱

ساتھ ایک پوری امت کو آپ کے منصب نبوت کی خدمت واشاعت کے لیے ''جارحہ'' اور آلہ کار بنایا گیا، اور اس کے لیے بعثت اور بعثت کے ہم معنی الفاظ استعمال کیے گئے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

(جتنی امتیں پیدا ہوئیں تم ان میں سب سے بہتر ہو، لوگوں کو نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو)

اور حدیث میں بعثت ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا:

''فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین''

(تم تیسیر (آسانی پیدا کرنے کے لیے) پیدا کیے گئے ہو، تعسیر (مشکلات پیدا کرنے کے لیے) نہیں مبعوث کیے گئے ہو۔)(۱)

مقام صحابہ

جس طرح نبوت ایک امتیاز ہے اور یہ امت کا عقیدہ ہے کہ نہ کوئی فرشتہ یہ مقام پا سکتا ہے اور نہ کوئی ولی، یہ وہ آسمان ہے کہ کوئی اس کی بلندی کو نہیں چھو سکتا، کسی مومن کا ایمان معتبر نہیں جب تک وہ انبیاء کی نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو، ارشاد ہے:

﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾ (البقرة: ۲۸۵)

(جو کچھ رسول پر ان کے رب کی طرف سے اتارا گیا رسول بھی اس پر ایمان لائے اور مسلمان بھی، سب کے سب اللہ پر ایمان لائے اور اس

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت: ۵/۲۳۴، بحوالہ؛ حجة الله البالغة، باب حقيقة النبوة وخواصها: ۱/۱۷۶-۱۷۷

کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر، ہم اس کے رسولوں میں (ایمان کے اعتبار سے) فرق نہیں کرتے)

البتہ ان میں فرق مراتب ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ (البقرة: ۲۵۳)

(یہ وہ رسول ہیں جن میں بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی، ان میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعضوں کے درجات بڑھائے)

اسی طرح نبوت کے بعد یہ شرف صحابیت بھی وہ مقام ہے جہاں تک کسی بڑے سے بڑے ولی کی رسائی نہیں، بحیثیت صحابی رسول کے ہر ایک کا مرتبہ نبوت کے نیچے ہے، لیکن ولایت سے بلند ہے، جمہور مفسرین نے تصریح کی ہے کہ ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهُ﴾ عام ہے، اس آیت میں تمام صحابہ کرام شامل ہیں، یہ معیت خواہ تھوڑی دیر کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔

اس کے آگے تورات وانجیل میں ان کے تذکرے کا بیان ہے، ارشاد ہے:

﴿ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً﴾ (الفتح: ۲۹)

(ان کی یہ مثال تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی مثال یہ ہے جیسے کھیتی ہو جس نے انکھوا نکالا پھر اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹا ہوا پھر اپنے تنے پر کھڑا ہو گیا، کھیتی کرنے والوں کو بھانے لگا تا کہ وہ ان سے انکار کرنے والوں کو جھلّا دے، ان میں سے جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے ان سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے)

ابو عروہ زبیریؒ کہتے ہیں:

”کنا عند مالك فذكروا رجلا ينتقص أصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم فقرأ مالك هذه الآية ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ﴾ فقال مالك: من أصبح فى قلبه غيظ على أحد من أصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم فقد أصابته الآية“(۱)

(ہم ایک روز امام مالک کی مجلس میں بیٹھے تھے، تو لوگوں نے ایک شخص کا ذکر کیا جو صحابہ کرام کو برا کہتا تھا، امام مالک نے یہ آیت ﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ تک تلاوت فرمائی، پھر فرمایا کہ جس شخص کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کے متعلق غیظ ہو، وہ اس آیت کی زد میں آتا ہے۔)

ایک آیت میں مہاجرین وانصار کا الگ الگ ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُوْلَـئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ﴾

(الأنفال: ۷۲)

(بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی وہ سب ایک دوسرے کے دوست ہیں)

قرآن مجید میں تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بجا صحابہ کے مقام کا تذکرہ فرمایا ہے، سورۂ فتح کی آخری آیتوں میں جہاں ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ﴾ (محمد (ﷺ) اللہ کے رسول

(۱) حلية الأولياء: ۶/۳۲۷

ہیں) فرمایا، اس کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾ (الفتح: ۲۹)

(اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ انکاریوں پر زورآور ہیں آپس میں مہربان ہیں آپ انھیں رکوع اور سجدے کرتے دیکھیں گے، اللہ کا فضل اور خوشنودی چاہتے ہیں، ان کی علامتیں سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں)

بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں کے مقام کا تذکرہ الگ سے موجود ہے

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيباً﴾ (الفتح: ۱۸)

(اللہ ان ایمان والوں سے خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے تو اس نے ان کے دلوں کو پرکھ لیا پھر ان پر سکون اتارا اور قریب ہی ایک فتح ان کو انعام میں دی)

سورۂ حجرات میں صحابہ کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُوْلَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ﴾ (الحجرات: ۷)

(البتہ اللہ ہی نے تمہارے لیے ایمان میں رغبت پیدا فرمادی اور تمہارے دلوں میں اسے سجادیا اور کفر اور گناہ اور معصیت سے تمہیں بیزار کیا، یہی لوگ ہیں جو سیدھے راستہ پر ہیں)

اور اس آیت کریمہ میں تو بات بالکل صاف کردی:

﴿وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا﴾ (الفتح: ۲۶)

(اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر رکھا اور وہ اسی کے مستحق اور اس کے اہل تھے)

پروانۂ رضا الٰہی ان سب کو عطا ہوا، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (التوبة: ١٠٠)

(اور مہاجرین وانصار میں سے پہلے سبقت کرنے والے اور جنھوں نے بہتر طریقہ پر ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے)

آیت بتاتی ہے کہ شہادت الٰہی کے بموجب صحابہ ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"الرضى من الله صفة قديمة فلا يرضى الا عن عبد علم أنه يوافيه على موجبات الرضى، ومن رضي الله عنه لم يسخط عليه أبدا"(١)

(اللہ کی رضا ایک قدیم صفت ہے، خدا کسی ایسے ہی بندے سے راضی ہوگا، جس کے بارے میں اس کو معلوم ہو کہ وہ رضا کے تقاضوں کو پورا کرے گا اور اللہ جس سے راضی ہوگیا، اس سے کبھی ناراض نہیں ہوسکتا)

احادیث میں ذکر

اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے صحابہ سے جو محبت تھی، اس کا اظہار آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر فرمایا، ارشاد ہوا:

"الله الله فى أصحابى لا تتخذوهم غرضا من بعدى، فمن أحبهم فبحبى أحبهم، ومن أبغضهم فببغضى أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذانى ومن آذانى فقد آذى الله، ومن آذى الله فيوشك أن يأخذه"(٢)

(١)الصارم المسلول: ١/٥٧٤ (٢)سنن الترمذی: ٤٢٣٦، مسند أحمد: ٢٠٥٤٩، وصححه ابن حبان: ٧٢٥٦، وحسنه السيوطى فى الجامع الصغير: ١٤٤٢

(میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان کو میرے بعد نشانہ مت بنانا، پس جو ان سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے محبت کرتا ہے، اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے، جس نے ان کو تکلیف پہنچائی، اس نے مجھے تکلیف دی، اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی، اللہ اس کی جلد ہی گرفت کرے گا۔)

مزید آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"لعن اللّٰه من سب أصحابی"(۱)

(جو میرے صحابہ کو گالی دے اس پر خدا کی لعنت ہو)

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

"من سب أصحابی فعلیه لعنة اللّٰه والملائكة والناس أجمعین"

(جو میرے صحابہ کو گالی دے، اس پر خدا کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام لوگوں کی لعنت)(۲)

آپ ﷺ نے قرن اول کو سب سے افضل قرار دیا، یہ صحابہ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت کے لیے منتخب فرمایا تھا، ارشاد ہے:

"خیر الناس قرنی، ثم الذین یلونهم، ثم الذین یلونهم"(۳)

ترمذی شریف کی ایک روایت میں آتا ہے:

"اذا رأیتم الذین یسبون أصحابی فقولوا؛ لعنة اللّٰه علی شرکم"(٤)

(جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو کہو کہ تم

---

(۱)المعجم الكبير للطبرانی: ٤٧٧١ (۲)المعجم الكبير للطبرانی: ١٢٧٠٩

(۳)صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة: ٦٤١٩، سنن الترمذی: ٢٣٨٣، مسند أحمد: ٢٠٥٤٩ (٤)سنن الترمذی: ٤٢٤٠

میں جو برا ہے، اس پر خدا کی لعنت)

کھلی ہوئی بات ہے، برا وہی ہے جو صحابہ کو برا بھلا کہتا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہوا:

"النجوم أمنة للسماء فاذا ذهبت النجوم أتى السماء ما توعد، وأنا أمنة لأصحابى فاذا ذهبت أتى أصحابى ما يوعدون، وأصحابى أمنة لأمتى، فاذا ذهب أصحابى أتى أمتى ما يوعدون"(۱)

(ستارے آسمان کے لیے حفاظت کا ذریعہ ہیں، جب ستارے نہ رہیں گے تو جس چیز سے ڈرایا گیا ہے وہ سامنے آجائے گی، اور میں اپنے صحابہ کی حفاظت کا ذریعہ ہوں، جب میں نہ رہوں گا تو جن چیزوں سے ڈرایا گیا ہے وہ سب چیزیں سامنے آجائیں گی اور صحابہ امت کی حفاظت کا ذریعہ ہیں جب وہ نہ رہیں گے تو جن خطرات سے آگاہ کیا گیا ہے وہ سامنے آجائیں گے۔)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ "فاذا ذهبت النجوم أتى السماء ما توعد" کا مطلب یہ ہے کہ قیامت آجائے گی جس سے ڈرایا گیا ہے اور آگاہ کیا گیا ہے، اور فاذا "ذهبت أتى أصحابى ما يوعدون" کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں سے کھل کر خبردار کیا ہے، وہ سامنے آجائیں گی، جیسے مختلف فتنے، جنگیں، آپس کے اختلافات وغیرہ۔ اور "فاذا ذهب أصحابى أتى أمتى ما يوعدون" کا مطلب یہ ہے کہ دین میں بدعات وخرافات پیدا ہوجائیں گی اور آگے وہ سب فتنے ظاہر ہوں گے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔(۲)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت میں ہونے والے تفرقہ کا ذکر فرمایا اور ارشاد ہوا

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب بيان أن بقاء النبي صلى الله عليه وسلم أمان لأصحابه: ٦٦٢٩ (۲) ملاحظہ ہو: شرح النووی: ١٤١/٨

”ستفترق أمتی علی ثلاث و سبعین ملة کلها فی النار غیر واحدة“

صحابہ نے پوچھا کہ اللہ کے رسول! حق پر کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”ما أنا علیه الیوم و أصحابی“(۱)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

”اذا ذکر أصحابی فأمسکوا، واذا ذکرت النجوم فأمسکوا، واذا ذکر القدر فأمسکوا“(۲)

(جب صحابہ کا ذکر آئے تو ٹھہر جاؤ، جب ستاروں کا ذکر آئے تو رک جاؤ، جب تقدیر کا ذکر آئے تو ٹھہر جاؤ)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ صحابہ کا تذکرہ برائی کے ساتھ کرے، اور جب بھی ان کے اختلافات سامنے آئیں تو زبان بند رکھی جائے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے صحابہ کو معیار حق قرار دیا، اور قیامت تک کے لیے ان کو نمونہ بنا دیا۔

ائمہ حدیث نے اسی کو اصول قرار دیا، امام ابن الصلاح تحریر فرماتے ہیں:

”للصحابة بأسرهم خصیصة وهي أنه لا یسئل عن عدالة أحد منهم بل ذلك أمر مفروغ عنه لکونهم علی الاطلاق معدلین بنصوص الکتاب والسنة واجماع من یعتد به فی الاجماع من الأمة، قال الله تبارك و تعالی:﴿کنتم خیر أمة أخرجت للناس﴾الآیة. قیل اتفق المفسرون علی أنه وارد فی أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم“(۳)

(تمام صحابہ کرام کی ایک خصوصیت ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی کی

(۱)مستدرك حاکم: ٤٤٤ (۲)المعجم الکبیر للطبرانی: ۲/ ۹٦، صححه الألبانی

(۳)مقدمة بن الصلاح: ۱۱۹

عدالت کے سلسلہ میں سوال بھی نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے، قرآن وسنت کے نصوص اور جن لوگوں کا اجماع معتبر ہے، ان کے اجماع سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم بہترین امت ہو، جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے، بعض علماء نے فرمایا کہ مفسرین حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں آئی۔)

امام نووی فرماتے ہیں:

"الصحابة كلهم عدول من لابس الفتن وغيرهم باجماع"(۱)

(صحابہ سب کے سب عادل ہیں، جو فتنہ میں مبتلا ہوئے وہ بھی اور دوسرے بھی۔)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی شہادت

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جن کو "خامس الخلفاء الراشدین" کہا جاتا ہے، انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں امت کو حضرات صحابہ کے بارے میں جو تلقین فرمائی، وہ آب زر بلکہ خون جگر سے لکھے جانے کے قابل ہے، وہ فرماتے ہیں:

"فارض لنفسك ما رضي به القوم لأنفسهم، فانهم على علم وقفوا وببصر نافذ كفوا ولهم على كشف الأمور، كانوا أقوى وبفضل ما كانوا فيه أولى، فان كان الهدى ما أنتم عليه، لقد سبقتموهم اليه، ولئن قلتم انما حدث بعدهم، ما أحدثه الا من اتبع غير سبيلهم ورغب بنفسه عنهم، فانهم هم السابقون، فقد تكلموا فيه بما يكفى، ووصفوا منه ما يشفى، فما دونهم من مقصر وما فوقهم من محسر، وقد قصر قوم دونهم فجفوا، وطمح عنهم أقوام فغلوا وانهم بين ذلك لعلى هدى مستقيم"(۲)

(۱)تدریب الراوی: ۲/۲۱۴ (۲)سنن أبی داؤد: ۴۶۱۴

(پس تمہیں چاہیے کہ اپنے لیے وہی طریقہ اختیار کرلو جس کو قوم (صحابہ کرام) نے اپنے لیے پسند کرلیا تھا، اس لیے کہ وہ جس حد پر ٹھہرے علم کے ساتھ ٹھہرے اور انہوں نے جس چیز سے لوگوں کو روکا، ایک دور بین نظر کی بنا پر روکا، اور بلاشبہ وہ ہی حضرات دقیق حکمتوں اور علمی الجھنوں کے کھولنے پر قادر تھے اور جس کام میں تھے اس میں سب سے زیادہ فضیلت کے وہی مستحق تھے، پس اگر ہدایت اس طریق میں مان لی جائے جس پر تم ہو تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تم فضائل میں ان سے سبقت لے گئے، جو بالکل محال ہے، اگر تم یہ کہو کہ یہ چیزیں ان حضرات کے بعد پیدا ہوئی ہیں، اس لیے ان سے یہ طریقہ منقول نہیں تو سمجھ لو کہ ان کو ایجاد کرنے والے وہی لوگ ہیں جو ان کے راستہ پر نہیں ہیں اور ان سے علیحدہ رہنے والے ہیں، کیونکہ یہی حضرات سابقین ہیں جو معاملات دین میں اتنا کلام کر گئے ہیں جو بالکل کافی ہے اور اس کو اتنا بیان کر دیا جو شفا دینے والا ہے، پس ان کے طریقہ سے کمی و کوتاہی کرنے کا بھی موقع نہیں ہے، اور ان سے زیادتی کرنے کا بھی کسی کو حوصلہ نہیں ہے، اور بہت سے لوگوں نے ان کے طریقہ میں کوتاہی کی، وہ مقصد سے دور رہ گئے، اور بہت سے لوگوں نے ان کے طریقہ سے زیادتی کا ارادہ کیا وہ غلو میں مبتلا ہو گئے اور یہ حضرات افراط و تفریط اور کوتاہی کے درمیان ایک راہ مستقیم پر تھے۔)(۱)

صحابہ کی تعریف

جمہور امت کے نزدیک صحابیت کی تعریف یہی ہے کہ جس نے بھی حالت ایمان میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا وہ صحابی ہے، خواہ اس کو ایک وقت کی نماز پڑھنے کی نوبت بھی نہ آئی ہو، اسی طرح جو کسی

(۱) ترجمہ: مفتی محمد شفیع صاحبؒ

وجہ سے آپ کو دیکھ نہ سکا لیکن آپ کی مجلس میں بیٹھا، وہ بھی اس تعریف میں شامل ہے۔ اصابہ میں ہے:

"الصحابي من لقي النبي صلى الله عليه وسلم مؤمنا به ومات على الاسلام، فيدخل فى من لقيه من طالت مجالسته له أو قصرت، ومن روى عنه أو لم يرو، ومن رآه رؤية ولو لم يجالسه، ومن لم يره لعارض كالعمى"(۱)

(صحابی وہ ہے جو اللہ کے رسول ﷺ سے ایمان کی حالت میں ملا ہو اور اسلام پر ہی اس کی وفات ہو، آپ ﷺ سے ملاقات کرنے والوں میں وہ بھی شامل ہے جس کو طویل صحبت ملی ہو اور وہ بھی جس نے مختصر صحبت اٹھائی، وہ بھی شامل ہے جس نے روایت کی اور وہ بھی جس نے روایت نہیں کی، اور وہ بھی شامل ہے جس نے آپ کو ایک نظر دیکھ لیا، خواہ آپ کے ساتھ بیٹھنے کا شرف نہ حاصل ہوا ہو، اور وہ بھی جو معذور ہو اور کسی عذر کی وجہ سے دیکھ نہ سکا ہو جیسے نابینا۔)

صحابہ کا ایمان وتقویٰ

جس طرح نبی کے عمل کو کسی دوسرے کے عمل سے تولا نہیں جاسکتا، اسی طرح ایک صحابی کے عمل کو کسی غیر صحابی کے عمل سے تولا نہیں جاسکتا، یہاں مسئلہ اعمال کی کثرت یا کمیت کا نہیں بلکہ اس کے وزن اور کیفیت کا ہے جس کا تعلق ایمان سے ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر ہر صحابی کو ایمان کی جو گہرائی عطا کی، یہ صرف شرف صحبت رسول کا خاصہ ہے، کسی غیر صحابی کو یہ حاصل نہیں ہوسکتا، اور اس ایمان کے بعد بہت ہی معمولی عمل بڑے بڑے اعمال پر بھاری ہے، ارشاد نبوی ہے:

"لا تسبوا أصحابى فوالذى نفسى بيده لو أن أحدكم أنفق مثل

(۱) الاصابة فى تمييز الصحابة: ۱/ ۶

أحد ذهبا ما أدرك مد أحدهم ولا نصيفه"(۱)

(تم میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو، پس اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی (راہ خدا میں) خرچ کردے تو بھی ان میں سے کسی ایک کے مد یا آدھے کو بھی نہیں پہنچ سکتا)

قابل توجہ بات ہے کہ آپ ﷺ کو یہ بھی گوارہ نہ ہوا کہ ایک صحابی کی زبان سے دوسرے ایسے صحابی کے بارے میں نامناسب بات نکلے جو سابقین اولین میں سے ہیں، تو اگر کوئی غیر صحابی کسی صحابی کی تنقیص کرتا ہے، آپ ﷺ اس کو کس قدر ناپسند فرماتے، اس حدیث کے ذیل میں قاضی عیاضؒ شارح مسلم تحریر فرماتے ہیں:

"أجرهم مضاعف لمكانهم من الصحبة...هذا ما يقتضى..من تفضيلهم على من سواهم بتضعيف أجورهم"

(اس سے بات صاف ہو جاتی ہے کہ شرف صحبت سے ان کو یہ کئی گنا اجر مل رہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اسی اجر کی زیادتی کی وجہ سے دوسروں پر فضیلت حاصل ہے)

پھر آگے فرماتے ہیں:

"فان فضيلة الصحبة واللقاء ولو لحظة لا يوازيها عمل ولا ينال درجتها شيء، والفضائل لا تؤخذ بقياس، ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء"

(صحبت وملاقات کی فضیلت خواہ وہ ایک لمحہ کے لیے ہو، اس کی برابری کسی دوسرے کا عمل نہیں کرسکتا، اور کوئی چیز اس مقام کو نہیں پہنچ سکتی اور یہ فضائل

(۱)صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب تحريم سب الصحابة: ٢٥٤١و صحيح البخاري: ٣٦٧٣

قیاسی نہیں ہیں، یہ محض اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے۔)(۱)

جو تقوی اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو دیا، وہ کسی امتی کو حاصل نہیں، بعض صحابہ نے جب آپ ﷺ کے معمولات دریافت کیے تو ان کو خیال ہوا کہ آپ تو بخشے بخشائے ہیں، ہم کو عمل میں اپنے آپ کو فنا کر دینا چاہیے، چنانچہ ان میں سے ایک صاحب نے کہا: میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھوں گا، دوسرے صاحب نے کہا: میں تو ہمیشہ روزہ رہا کروں گا، اور روزہ کبھی نہ چھوڑوں گا، تیسرے صاحب نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا، کبھی شادی نہیں کروں گا، اتنے میں حضور ﷺ تشریف لائے، آپ ﷺ نے فرمایا:

”أنتم الذين قلتم كذا و كذا، أما والله اني لأخشاكم وأتقاكم له، لكني أصوم و أفطر، وأصلي وأرقد، وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني“(۲)

(تم ہی لوگ یہ سب باتیں کر رہے تھے، سنو! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں، تم میں سب سے زیادہ اللہ کی رضا کا پاس ولحاظ رکھتا ہوں، لیکن میں کبھی روزہ رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا، نماز بھی پڑھتا ہوں، اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، جو ہمارے طریقہ سے منہ موڑے وہ ہم میں سے نہیں۔)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے ساتھ کلمۂ تقوی کو لازم فرما دیا، اعمال خواہ کم نظر آئیں لیکن ان کے ایمان اور تقوی کی شان بہت بلند ہے:

﴿وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا﴾(الفتح: ۲۶)

(اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر رکھا اور وہ اسی کے مستحق اور اس کے اہل تھے)

---

(۱)اکمال المعلم: ۷/ ۵۸۰ (۲)صحیح البخاری: ۵۰۶۳

صحابہ کون تھے؟

کوئی استعجاب کی بات نہیں، یہ وہ جماعت تھی جس کو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے لیے منتخب فرمایا تھا اور یہ آپ ﷺ کے وہ شاگرد تھے جن کو ساری امت کا معلم بننا تھا، امت کو جو بھی دین و قرآن حاصل ہوا وہ اسی قدسی جماعت کے واسطے سے حاصل ہوا، مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے:

”ان اللہ نظر فی قلوب العباد فوجد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیر قلوب العباد، فاصطفاہ لنفسہ فابتعثہ برسالتہ ثم نظر فی قلوب العباد فجعلھم وزراء نبیہ یقاتلون علی دینہ فما رأی المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن وما رأوا سیئا فھو عند اللہ سیئ“(۱)

(اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو محمد ﷺ کے دل کو تمام دلوں میں سب سے بہتر پایا، اور ان کو اپنے لیے چن لیا اور اپنی رسالت کے لیے مقرر کر دیا، پھر محمد ﷺ کے قلب کے بعد دوسرے قلوب پر نظر فرمائی، تو محمد ﷺ کے اصحاب کے قلوب کو دوسرے بندوں کے مقابل سب سے بہتر پایا، تو انہیں نبی کا معاون بنایا، جو ان کے دین کے لیے جہاد کرتے ہیں، تو مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں، اللہ کے نزدیک وہ چیز اچھی ہے اور جس چیز کو برا سمجھیں، وہ چیز اللہ کے نزدیک بری ہے)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے جو روایت صحابہ کے سلسلہ میں نقل فرماتے ہیں، اس سے بہتر تعریف امت میں شاید ہی کسی نے صحابہ کی کی ہو، وہ فرماتے ہیں:

(۱)مسند أحمد بسند حسن: ٣٦٦٧

”من كان متأسيا فليتأس بأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فانهم أبر هذه الأمة قلوبا وأعمقها علما وأقلها تكلفا وأقومها هديا وأحسنها حالا، قوم اختارهم الله بصحبة نبيه واقامة دينه فاعترفوا لهم فضلهم واتبعوا آثارهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم“(۱)

(جو شخص اقتدا کرنا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کرے، کیونکہ یہ حضرات ساری امت میں سب سے زیادہ پاک دل رکھنے والے، سب سے گہرا علم رکھنے والے، سب سے زیادہ سیدھا راستہ رکھنے والے، سب سے زیادہ بہتر حالات رکھنے والے تھے، یہ وہ قوم ہے جس کو اللہ نے اپنے نبی کی صحبت اور اقامت دین کے لیے منتخب فرمایا، تو تم ان کے فضل کے معترف رہو اور ان کے نقش قدم پر چلو، کیونکہ یہی لوگ راہ مستقیم پر ہیں۔)

حقیقت میں جماعت صحابہ آنحضور ﷺ کے فیض صحبت وتربیت کا شاہکار تھی، امام ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

”ظهرت الدعوة فى جميع أرض العرب التى كانت مملوءة من عبادة الأوثان ومن أخبار الكهان وطاعة المخلوق فى الكفر بالخالق وسفك الدماء المحرمة وقطيعة الأرحام لا يعرفون آخرة ولا معادا فصاروا أعلم أهل الأرض وأدينهم وأعدلهم وأفضلهم حتى أن النصارى لما رأوهم حين قدموا الشام قالوا ما كان الذين صحبوا المسيح بأفضل من هؤلاء وهذه آثار علمهم وعملهم فى الأرض وآثار غيرهم يعرف العقلاء فرق ما بين الأمرين.“(۲)

---

(۱)جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر: ۱۸۱۰

(۲)الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح: ۲۸۶/۶

(اسی سرزمین عرب میں جہاں بت پرستی، کاہنوں کی جھوٹی سچی خبروں، خالق سے کفر اور مخلوق کی اطاعت، ناحق خوں ریزی اور قطع رحمی کا دور دورہ تھا، آخرت و معاد کا کوئی تصور نہ تھا' دعوت دین بلند ہوئی، پھر یہی لوگ اس گیتی کے سب سے بڑے عالم، سب سے زیادہ دین دار، سب سے زیادہ انصاف شعار اور سب سے زیادہ صاحب فضل و کمال بن گئے، حتی کہ جب یہ لوگ شام آئے اور وہاں کے نصاری نے انہیں دیکھا تو وہ بے اختیار چیخ پڑے: ''مسیح کے رفقاء ان سے اچھے نہ تھے'' دنیا میں ان حضرات کے علم و عمل کے اثرات اور غیروں کے نقوش بھی موجود ہیں، ایک ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ دونوں میں کس قدر فرق ہے۔)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے صحیح فرمایا ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیغام اور اپنی دعوت کے ذریعہ سے جس فرد کو تیار کر کے کارگہ حیات میں اتارا تھا، وہ اللہ پر سچا ایمان رکھنے والا، نیک خوئی پسند کرنے والا، اللہ کے خوف سے ڈرنے والا اور لرزنے والا، امانت کا پاس کرنے والا، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادہ کو حقیر سمجھنے والا اور اپنی روحانیت سے مادیت پر غالب آنے والا تھا، وہ اس بات پر دل سے یقین رکھتا تھا کہ دنیا تو میرے لیے بنائی گئی ہے، لیکن میں آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہوں، پس یہ فرد اگر تجارت کے میدان میں اترتا تو نہایت سچا اور ایمان دار ثابت ہوتا، اگر مزدوری کا پیشہ اختیار کرتا تو نہایت محنتی اور بہی خواہ مزدور ثابت ہوتا، اگر مال دار ہو جاتا تو ایک رحم دل اور فیاض دولت مند ثابت ہوتا، اگر غریب ہوتا تو شرافت کو قائم رکھتے ہوئے مصیبتوں کو جھیلتا، اگر کرسی عدالت پر بٹھا دیا جاتا تو نہایت سمجھ دار اور منصف جج ثابت ہوتا، اگر صاحب سلطنت ہوتا تو ایک مخلص اور بے

غرض حکمراں ثابت ہوتا، اگر آقا ہوتا تو رحم دل اور منکسر المزاج آقا ہوتا، اگر نوکر ہوتا تو نہایت چست اور فرماں بردار نوکر ہوتا اور اگر قوم کا مال و دولت اس کی تحویل میں آجاتا تو حیرت انگیز بیداری اور باخبری سے اس کی نگرانی کرتا۔''(۱)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اپنے بلیغ اسلوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''نبوت کے ان کارناموں میں جو زندگی کی پیشانی پر درخشاں اور تاباں ہے، سب سے روشن کارنامہ محمد رسول اللہ ﷺ کا کارنامہ ہے، جس کی سب سے زیادہ تفصیلات تاریخ میں محفوظ ہیں، مردم سازی اور آدم گری کے اس کام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کامیابی عطا فرمائی وہ آج تک کسی انسان کو حاصل نہیں ہوئی، آپ نے جس سطح سے تعمیر انسانیت کا کام شروع کیا اس سطح سے کسی پیغمبر، کسی مصلح اور کسی مربی کو شروع کرنے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی تھی، یہ وہ سطح تھی جہاں حیوانیت کی سرحد ختم ہوتی تھی، اور انسانیت کی سرحد شروع ہوتی تھی، اور جس سطح پر آپ نے اس کام کو پہنچایا، اس سطح تک بھی کبھی تعمیر انسانیت کا کام نہیں پہنچا، جس طرح آپ نے انسانیت کی انتہائی پستی سے کام شروع کیا، اسی طرح انسانیت کی آخری بلندی تک اس کام کو پہنچایا۔

آپ کے تیار کیے ہوئے افراد میں سے ایک ایک فرد نبوت کا شاہکار ہے، اور نوع انسانی کے لیے باعث شرف و افتخار ہے، انسانیت کے مرقع میں بلکہ اس پوری کائنات میں پیغمبروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ حسین و جمیل، اس سے زیادہ دل کش و دل آویز تصویر نہیں ملتی، جو ان کی زندگی

---

(۱) کاروان مدینہ: ۴۴

میں نظر آتی ہے، ان کا پختہ یقین، ان کا گہرا علم، ان کا سچا دل، ان کی بے تکلف زندگی، ان کی بے نفسی، خدا ترسی، ان کی پاک بازی، پاکیزگی، ان کی شفقت و رافت، اور ان کی شجاعت و جلادت، ان کا ذوق عبادت اور شوق شہادت، ان کی شہسواری اور ان کی شب زندہ داری، ان کی سیم و زر سے بے پروائی اور ان کی دنیا سے بے رغبتی، ان کا عدل، ان کا حسن انتظام دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، نبوت کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے جو انسانی افراد تیار کیے، ان میں ایک ایک ردا ایسا تھا جو اگر تاریخ کی متواتر شہادتیں نہ ہوتیں، تو ایک شاعرانہ تخیل اور ایک فرضی افسانہ معلوم ہوتا، لیکن اب وہ ایک تاریخی حقیقت اور ایک مسلم الثبوت واقعہ ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ایک ایسا انسانی مجموعہ تھا جس میں نبوت کے اعجاز نے متضاد انسانی کمالات پیدا کر دیے تھے، علامہ اقبال کے الفاظ میں:

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولی صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل پاک باز
اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل

ساقی ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصیل‘‘(۱)

فرق مراتب

صحابہ کرام میں فرق مراتب ہے، جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے اور احادیث میں بھی، ارشاد ہے:

﴿لَا يَسْتَوِىْ مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا﴾ (الحدید: ١٠)

(تم میں جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا وہ (بعد والوں کے) برابر نہیں، وہ ان کے مقابلہ میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں جنھوں نے فتح کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا)

لیکن یہ بھی ارشاد ہے کہ

﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾ (الحدید: ١٠)

(اور بھلائی کا وعدہ تو اللہ کا ہر ایک سے ہے)

صحابہ کا تذکرہ فرق مراتب کے ساتھ دوسری آیت میں اس طرح بیان ہوا:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (التوبة: ١٠٠)

(اور مہاجرین وانصار میں سے پہلے سبقت کرنے والے اور جنھوں نے بہتر طریقہ پر ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے)

یہ اس علیم وخبیر کا پروانۂ رضامندی ہے جو آگے پیش آنے والے حالات سے خوب خوب واقف ہے۔

(۱) دو متضاد تصویریں: ۱۷-۱۹

اس میں شبہ نہیں کہ صحابہ میں درجات کا بہت تفاوت ہے، ان میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی کو حاصل نہیں، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری امت کے اعمال ایک پلڑے میں رکھ دیے جائیں اور صدیق اکبرؓ کے دوسرے پلڑے میں تو صدیق اکبر کا پلڑا جھک جائے، ان کے بعد حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی کا مقام ہے، یہ چاروں حضرات صحابہ میں بھی افضل ترین درجہ رکھتے ہیں، اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"علیکم بسنتی و سنة الخلفاء المهديين الراشدين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ" (۱)

(تم اپنے اوپر میرے اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقہ کی پیروی لازم کرلو، مضبوطی سے اس کو تھام لو اور دانتوں سے پکڑلو)

پھر سابقین اولین میں مہاجرین وانصار ہیں پھر وہ ہیں جو صلح حدیبیہ کے دوران ایمان لائے پھر مقام ہے ان حضرات کا جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت معاویہ کے مقابلہ میں حضرت علی کا مقام بہت بلند ہے، امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقیؒ فرماتے تھے کہ حضرت معاویہ کو حضرت علی کی صف نعال میں جگہ مل جائے تو بڑی بات ہے، لیکن جو بھی ہیں وہ سب کے سب امت کے سرتاج ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کا مقام بڑے سے بڑے ولی سے بڑھ کر ہے۔

مقام امتیاز

صحابہ رضی اللہ عنہم کے کام اور مقام کو امت کے دوسرے افراد کے کام اور مقام پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، رسول اللہ ﷺ کی صحبت کے ساتھ ایک لمحہ کا ایمان ان کو اس بلندی پر پہنچا دیا کہ قرآن مجید نے درجنوں مقامات پر اس کو صاف کر دیا، یہاں تک کہ

(۱) سنن أبي داؤد: ٤٦٠٩

ان میں جن حضرات سے غلطیاں ہوئیں ان کو بھی اللہ نے معاف کیا۔

اس کی ایک مثال حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کی ہے:

’’صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر حضرت علیؓ، حضرت مقداد بن اسودؓ اور اور حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ تم لوگ روضہ خاخ تک جاؤ، وہاں تمہیں ایک عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہے، تو تم لوگ وہ خط اس سے حاصل کرلو، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ تیزی سے گھوڑوں پر سوار ہوکر وہاں پہنچے، اور ہم نے وہاں اس عورت کو بھی پایا، تو ہم نے کہا: تمہارے پاس جو خط ہے اس کو ہمارے حوالہ کردو، عورت نے جواب دیا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، ہم نے کہا: تم خط نکالتی ہو یا ہم خود تمہاری تلاشی لیں؟ یہ کہنے پر اس نے اپنی چوٹی سے خط نکال کر دیا، اور ہم اس خط کو حضور ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ اس خط کا راز یہ تھا کہ یہ حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے بعض مشرکین مکہ کے نام تھا، جس میں رسول اللہ ﷺ کے بعض ارادوں کی اطلاع تھی۔ یہ خط دیکھ کر آپ ﷺ حاطب سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: حاطب! یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! میرے بارے میں عجلت نہ فرمایئے، میرا قصہ یہ ہے کہ میں قریش کا حلیف تھا اور اس کے سوا ان سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے، اور میرے علاوہ جو دوسرے مہاجرین آپ کے ساتھ ہیں، تو ان کے اقرباء مکہ میں موجود ہیں، جو ان کے گھر والوں اور مال کی حفاظت کرسکتے ہیں، اس لیے میں نے نسبی تعلق نہ ہونے کی وجہ سے ان سے اس ذریعہ سے ان کی ہمدردی حاصل کرنا چاہی، اور سچی بات یہ ہے کہ میں نے نہ کوئی کفریہ عمل کیا ہے اور نہ ہی مرتد ہوا ہوں، اور نہ ہی اسلام کی دولت ہاتھ آنے کے بعد میں کفر سے رضامند ہوا ہوں۔ حاطب

کے اس جواب پر حضور ﷺ نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اے رسول خدا! آپ اجازت دیں تو میں اس منافق کا سر قلم کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شرکائے بدر میں سے ہے، اور تم کو کیا معلوم شاید کہ اللہ نے اہل بدر کے ارادوں سے واقف ہوکر کہا ہو کہ تم جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔"(۱)

اسی طرح دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے تہمت لگائی اور چند حضرات صحابہ کی زبانوں پر بھی غلطی سے نامناسب کلمات آگئے تو اللہ نے ان کو تنبیہ فرمائی، لیکن اس کے ساتھ دنیا و آخرت میں ان کے ساتھ اپنے فضل کا اعلان بھی فرمادیا، جو اللہ نے تمام صحابہ کے ساتھ طے کردیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (النور: ١٤)

(اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس چیز میں تم پڑ گئے تھے اس میں تمہیں بڑے عذاب کا شکار ہونا پڑتا)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے لیے فضل طے فرمادیا ہے اور ان کی غلطیوں کو معاف کردیا گیا ہے، اب اگر کوئی ان کو بیان کرتا ہے تو اپنے لیے گڑھا کھودتا ہے۔

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ لکھتے ہیں:

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہ کرام بھی انسان تھے اور گناہوں کا صدور ان سے بھی ممکن تھا؛ بلکہ اسوہ کی تکمیل کے لئے ضروری اور معیاری توبہ رجوع و انابت الی اللہ کے لئے لازمی تھا۔

جن صحابہ سے گناہوں کا صدور ہوا پھر اس پر جو ان کو خلش اور اپنے کئے

(۱) صحيح البخاري: ٣٠٠٧

ہوئے پر جوندامت ہوئی، وہ صرف انہی کا حصہ ہے۔ ماعزاور غامدیہ کے واقعات شاہد عدل ہیں کہ ان کو اپنے گناہ پر ایسی ندامت ہوئی اور اسکے لئے انھوں نے ایسی قربانی دی کہ رحمت الٰہی کو جوش آیا اور ان پر ایسی رحمت کی بارش ہوئی کہ اگر پورا شہر مدینہ اسکے ذریعہ اپنی بخشش کروانا چاہتا تو ہو جاتی۔ ع

یہ وہ بندہ ہے جس پر ناز کرتا ہے کرم میرا

اللہ کے رسول ﷺ نے حد جاری کرتے وقت ایک صاحب کے نازیبا کلمات سن کر منع فرمایا اور ان کی توبہ کی قبولیت اور اس پر اللہ تعالیٰ کی مغفرت ورحمت کو اسطرح بیان فرمایا کہ گویا آپ ﷺ نے ان کی توبہ کو معیار قرار دیا کہ انھوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ پر تقسیم کردی جائے تو ان سب کو اپنے سایہ میں لے لے۔ حضرت ابولبابہ سے لغزش ہوئی، مسجد کے کھمبے سے اپنے کو باندھ دیا اور ایک ہفتہ اسی طرح رہے یہاں تک کہ قبول توبہ کا مژدہ سنا اور پروانہ رحمت پالیا، ایسا گنہگار بندہ جو اس انداز کی توبہ کرنے والا ہو وہ تو محبوب خدا بن جاتا ہے۔

وحشی جن کے سر پر حضرت حمزہؓ کے قتل کا بوجھ تھا، اگر چہ انھوں نے کفر کی حالت میں ایسا کیا تھا پھر بھی مارے شرمندگی وندامت کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ آتے تھے، وہ بوجھ اس وقت اترا جب انھوں نے مسیلمہ کذاب کو جو دشمن خدا ورسول تھا، قتل کیا اور مسلمانوں کو بڑے امتحان سے بچالیا رضی اللہ عنہ وأرضاہ، نہ جانے کتنے واقعات ہیں ؛ ہمارے صحابہ کرام سے لغزشیں ہوئیں؛ لیکن ان پر ندامت کے ایسے آنسو بہائے اور اس کے کفارے کے لیے ایسے مجاہدات کیے کہ امت کے لئے قیامت تک کے لیے نمونہ چھوڑ گئے۔'' (۱)

(۱) محبت صحابہ:۳۱-۳۲

جرح سے ماوراء

امام ابن حبانؒ لکھتے ہیں:

''اگر کوئی کہے: آپ نے صحابہ کے بعد والوں کی جرح کی، تو صحابہ کے تعلق سے اس معیار کو کیوں نہیں اپنایا؟ سہو وخطا کا، جس طرح بعد کے محدثین سے صدور ہوا، حضرات صحابہ سے بھی ہوا ہوگا؟ تو اس سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے رتبے کو اس درجہ منزہ کر دیا ہے کہ کسی عیب جوئی کرنے والے کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اور ان کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ کوئی حرف گیری کرنے والا ان میں کوئی عیب نہیں نکال سکتا، ان کو ستاروں کے مانند، دوسروں کے لیے قابل اقتدا بنایا، اللہ پاک کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَـذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُواْ وَاللّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ٦٨)

(ابراہیم کے زیادہ حقدار تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی اور جو (ان پر) ایمان لائے اور اللہ ایمان والوں کا دوست ہے)

نیز فرمایا:

﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّـهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ﴾ (التحریم: ۸)

(جس دن اللہ نبی کو اور ان کے ساتھ ایمان والوں کو رسوا نہیں فرمائے گا)

اب جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ خبر دے کہ قیامت کے دن اس کو رسوا نہ کرے گا اور ملت ابراہیمی پر اس کے گامزن ہونے کی شہادت دے، اس پر جرح کر کے اس کو جھوٹا قرار دینا جائز نہ ہوگا، اس لیے کہ یہ تو محال ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّـهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ﴾ اور رسول اللہ ﷺ فرمائیں:

''من كذب على معتمدا فليتبوأ مقعده من النار''(١)

---

(١) صحيح البخاري: ١/٢٠٢

(جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے)

پھر نبی کریم ﷺ اس شخص کے بارے میں واجبی طور پر جہنم رسید ہونے کی بات کہیں، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی خبر ہے کہ وہ قیامت میں اس کو رسوا نہ کرے گا، یہ کیسے ممکن ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ اس حدیث میں مخاطب صحابہ کے بعد کے لوگ ہیں، اس کے برخلاف جو لوگ نزول قرآن کے وقت موجود تھے، ان کو نبی کی صحبت کا شرف ملا، ان کی برائی کرنا جائز نہیں، ان کو مجروح کرنا ایمان کی ضد ہے، ان میں سے کسی کی توہین و تذلیل کرنا ہی نفاق ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر لوگ یہی ہیں، یہ فیصلہ ہے اس ذات بابرکات کا جو اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولتا، اس کی بات وحی ہوتی ہے، جن لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے وہ امانت سپرد کی جس کی تشریح و وضاحت کا کام من جانب اللہ آپ ﷺ کو ملا تھا، وہ حضرات بدرجہ اولی اس بات کے اہل ہیں کہ ان کی جرح وقدح نہ کی جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو یہ پیغام محض اس وجہ سے سپرد کیا اور فرمایا:

"لیبلغ الشاهد الغائب" (۱)

(جو حاضر ہے غیر حاضر کو (میرا پیغام) پہنچادے)

کہ وہ آپ کے نزدیک سچے تھے، ان کی گواہی جائز تھی، اگر وہ اس قابل نہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ قطعاً یہ حکم نہ دیتے کہ جو لوگ حاضر ہیں، غیر حاضر لوگوں تک پہنچادیں، ورنہ خود رسالت مخدوش ہوجائے گی، یہ کیا کم شرف و اعزاز کی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی کی تعدیل فرمائیں، صحابہ کرام کے بعد کے لوگ اس درجہ کے نہیں، اس لیے کہ صحابی نے

(۱) صحیح البخاری: ۱/ ۱۵۸

جب اپنے بعد والے کو پہنچایا تو ممکن ہے کہ یہ دوسرا شخص منافق یا بدعتی یا گمراہ ہو، جو روایت میں کتر و بیونت کردے، لوگوں کو گمراہ کردے، اسی لیے ہم نے صحابہ اور غیر صحابہ میں فرق کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے رتبوں کو بدعت و گمراہی سے محفوظ کردیا ہے۔''(۱)

حاصل یہ ہے کہ لفظ ''صحابی'' خود اپنے اندر ایک تقدس رکھتا ہے، پوری چودہ سو سالہ تاریخ میں کبھی بھی اس کے تقدس کو مجروح نہیں کیا گیا، یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جس میں وہی حضرات داخل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان وصحبت کے لیے منتخب فرمایا اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی کردیا، ارشاد ہے:

﴿وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ﴾(العنکبوت: ۱۱)

(اور یقیناً اللہ ایمان والوں کو بھی اچھی طرح جان کر رہے گا اور منافقوں کو بھی اچھی طرح جان کر رہے گا)

کافروں اور منافقوں کی ٹولی الگ کردی گئی اور صحابہ کو انتہائی مشقت ومجاہدہ کی چکی میں پیس کر الگ کردیا گیا، آنحضور ﷺ کے زمانہ ہی سے یہ چیز پوری طرح واضح ہوگئی، نہ کسی منافق کو صحابی شمار کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی صحابی کو منافق کی صف میں سمجھا جا سکتا ہے۔

(۱) المجروحین لابن حبان: ۱/۳۳-۳۴

مؤلف کی دیگر تالیفات

(۱) آسان معانی قرآن (مختصر حواشی کے ساتھ)

(۲) حدیث کی روشنی

(۳) صحاح ستہ اور ان کے مصنفین

(۴) اسوۂ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

(۵) قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم

(۶) اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۷) غزوات رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۸) حقوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۹) سوانح مفکر اسلامؒ

(۱۰) حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی - دعوت وفکر کے اہم پہلو

(۱۱) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ - منہج فکرودعوت

(۱۲) تحریک پیام انسانیت - اغراض ومقاصد اور طریقۂ کار

(۱۳) اسلامی عقائد - قرآن وسنت کی روشنی میں

(۱۴) قادیانیت - منظر پس منظر

(۱۵) اصلاح معاشرہ (سورۂ حجرات کی روشنی میں)

(۱۶) سماج کی بیماریاں

(۱۷) محبت کیا ہے؟

(۱۸) توحید کیا ہے؟

(۱۹) مبادی و أصول فی علم حدیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۲۰) Enlightenment Of Hadith

(۲۱) Quran & Prophet Muhammad